مسلمانوں کے ذوقِ کتابداری پر چند تحریرات کا ایک تقابلی جائزہ

جناب احمد خان صاحب۔ اسسٹنٹ لائبریرین
ادارۂ تحقیقات اسلامی
اسلام آباد

مسلمانوں کا ذوق کتاب سازی و کتابداری اہمیت کے لحاظ سے تو بہت اونچا موضوع ہے مگر قسمت کے اعتبار سے اتنا بلند نہیں ہے۔ مسلم علماء اور مستشرقین حضرات نے جہاں دیگر موضوعات پر بسط و تفصیل سے لکھا ہے۔ وہاں اس موضوع کو کما حقہٗ توجہ نہیں دے سکے۔ ہمارے نزدیک اس کی چند وجوہات ہیں:

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے کتابیں نہ صرف لکھیں بلکہ جمع بھی کیں، لیکن کتب خانوں اور کتابداری کے بارے میں بہت کم لکھا ہے۔ چنانچہ مواد کی قلت اور بعض گوشوں میں معلومات کے فقدان کے سبب اچھے اچھے محققین کا اس موضوع پر قلم اٹھانے میں پتا پانی ہوتا ہے۔

۲۔ اس میدان میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ اس قدر غیر مبوّب ہے اور اسلامی ادب کے وسیع سمندر میں یوں بکھرا پڑا ہے۔ کہ اس کے نشان ہی مدہم پڑ گئے ہیں۔

۳۔ دستیاب مواد میں بعض چیزوں کی جو توصیف (DESCRIPTION) دی گئی ہے وہ ایک تو غیر مفصل ہے۔ دوسرے اس قدر متضاد ہے کہ پڑھنے والے کی کوئی رہنمائی کرنے کی بجائے اسے مزید حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ اس کی درست اور حقیقی صورت کیا تھی جس کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے۔

ان دقتوں اور دشواریوں کے باوصف علماء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں سے چند کے سوا باقی سب نے اپنی تحریرات میں رطب و یابس بھر دیا ہے۔ سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ ایسا انٹ سنٹ اور غیر مستند لکھا ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد یہ معلومات دلیہ بالا نظر آتی ہے۔ زبیر صاحب کی کتاب[۱] غیر مستند معلومات کا ملغوبہ ہے جس میں بغیر کسی ماخذ کے ایسی ایسی باتیں

---

[۱] اسلامی کتب خانے۔ مکتبہ برہان دہلی، ۱۹۶۱ء
۵۴۳

لکھی گئی ہیں جن کا وجود غیر ممکن سا ہے۔ علاوہ بریں بعض مقالات کتب خانوں سے متعلق معلومات دینے کی بجائے ذہن کو عجیب و غریب مخمصے میں ڈال دیتے ہیں۔

(۱)

مسلمانوں کے ہاں کتب خانے کی ابتداء اس دن ہی پڑ گئی تھی جس دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تھی۔ آپ نے اس وحی الٰہی کی آیات کو ضرورت اور حالات کیساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے سینوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ پھر یہ آیات جمع ہو کر ایک ضخیم کتب خانہ یعنی "قرآن مجید" بن گیا جو بعد میں قائم ہونے والے کتب خانوں کی پہلی اینٹ اور مشعلِ راہ بنا۔ آنحضورؐ کے شیدائیوں نے آپؐ کے منہ سے نکلنے والا ایک ایک موتی جمع کیا۔ بعدازاں اس کے لئے کئی علوم و فنون پیدا ہوئے اور وہ بڑھتے بڑھتے کتب خانوں کا سرمایہ بنتے چلے گئے۔

ویسے تو موجودہ اصطلاح کے مطابق مسلمانوں میں سب سے پہلے خالد بن یزید اموی (متوفی ۸۵ھ) نے کتب خانہ قائم کیا تھا۔ یہ امر شک و شبہ سے بالا ہے کہ مسلمان علماء کے ہاں ذاتی استعمال کیلئے گھروں میں کتابیں موجود تھیں، عبداللہ بن عباسؓ کا گھر ایک مرکز تالیف (SCRIPTORIUM) تھا جس کے ہاں بیٹھ کر علماء حدیث نقل کرتے اور وہ نقول لے جا کر اپنے گھروں میں محفوظ کر لیتے۔ حصول علم کی خاطر لوگ بھاگ بھاگ کر اور دور دراز کے سفر طے کر کے محدثین سے علم حاصل کرنے لگے۔ پھر یہ ہوا کہ علم کے شیدائی اور "اطلبوا العلم" کے مخاطب اپنے ساتھ کتابوں کے اونٹ لے کر چلنے لگے اور اس طرح ان کتابوں سے دوسرے حضرات کو بھی فائدہ پہنچایا جانے لگا۔ بغداد، شام، مصر، تہران، قرطبہ، شاطبہ، اشبیلیہ اور مشرق میں رَی، نیشاپور۔ غرضیکہ ہر بڑا شہر کتابوں کا شہر بن گیا۔ مسلمانوں کی دلچسپی نے غیر اقوام کو بھی اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ بھی کتاب سے کماحقہٗ استفادہ کریں۔ دیکھتے دیکھتے یورپ نے خوابِ غفلت سے آنکھیں کھولیں۔ قرطبہ کی نظیر پر یورپ میں کتب خانے قائم ہوئے جو بڑھے پھولے اور آخر کار علم کی دیوی سرسوتی نے ہجرت کر کے یورپ میں رہائش اختیار کر لی اور مسلمان یہ کہہ کر ہاتھ ملتے رہ گئے ؎

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

مسلمانوں کے ان کتب خانوں پر لکھے گئے چند مقالات کا ہم ایک تقابلی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ ان مقالات کا انتخاب کسی مقرر کردہ معیار کے تحت نہیں اور کاش ایسا ہوتا بلکہ صرف ان مقالات کی

دستیابی ہے۔ ان مقالات کی CITATION، اہم نکات اور تقابلی مطالعہ ہوگا۔ ان مقالات کو ہم نے ایک نئے بندسے انداز اور ترتیب سے رکھا ہے جس کا احساس آپ کو انہیں پڑھنے کے بعد ہو جائے گا۔

(۲)

یہ موضوع اس امر کا مستحق ہے کہ اس پر فن کتابداری کے زیادہ سے زیادہ ماہرین قلم اٹھائیں۔ چنانچہ پاک و ہند کے معروف ماہر فن اور اس فن کی پاکستان میں تدریس کے بابا جناب مولوی محمد شفیع صاحب (مرحوم) کے مقالے[۲] سے ہم ابتداء کر رہے ہیں۔

انگریزی میں تحریر کردہ اس مقالے میں جناب مولوی صاحب نے ابتدائے انسانیت سے لیکر آنحضورؐ کی آمد تک کے مشہور چند کتب خانوں کا مختصر سا خاکہ پیش کرنے کے بعد اس پہلو کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے ہاں علم کی ترویج کیسے ہوئی۔ "اقرأ" کے حکم سے مسلمانوں نے کس قدر INSPIRATION لی۔ اس کے علاوہ حصول علم اور غور و تدبر کی جو آیات قرآن کریم میں وارد ہوئی ہیں۔ ان کا منشاء بیان کیا ہے۔ آنحضورؐ کیطرف سے پھوٹنے والے علم کی روشنی، حصول علم اور اس کے پھیلانے کے بارے میں "بلغوا عنی ولو آیۃ" کی تشریح کی ہے۔ مسلمانوں کے مدرسہ اولیٰ، اصحاب صفّہ کے علاوہ جن جن حضرات نے آنحضورؐ سے احادیث لکھیں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ مقالہ نگار نے ایک غیر مسلم کے جو ریمارکس آنحضورؐ کے بارے میں دئے ہیں۔ دیکھئے کس قدر حقیقت نگاری ہے:

> "خود آنحضورؐ نے، جو فن تحریر سے نابلد تھے، کتاب سازی و کتابداری کی ایسی مہم چلائی جس نے نہ صرف علوم قدیم کے ڈوبتے ہوئے سفینہ کو بچایا بلکہ انہوں نے فلسفہ، سائنس، آرٹ اور فن تعمیر میں ایسی نئی روح پھونکی جس کے لئے آج تک دنیا ورطۂ حیرت میں ہے۔"

موصوف نے اپنے اس مقالے میں خلفائے راشدین کے زمانے میں علمی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ قرآن کی تدوین میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے کارنامے گنائے ہیں۔ ان میں واقعات بتلاتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ یہودیوں سے ایک کتاب لائے جس کے بارے میں آنحضورؐ

---

۲. "Libraries and learning in the Muslim world."
Pakistan Library Review. Vol. 3, PP. 28-36 (March, 1961)

نے فرمایا کہ عمرؓ! قرآن کے ہوتے ہوئے ان کتابوں کی حاجت نہیں رہتی"۔ مولوی صاحب کی یہ بات بڑی وقیع ہے کہ اس واقعہ سے جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں کتابوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔ وہاں اس امر کی بھی تو گنجائش ہے۔ کہ ایسے ذاتی کتب خانے مسلمانوں کے ہاں بھی ہوں گے۔ مقالہ نگار نے اپنے حدود کار کو تدوین حدیث، ان کے مجموعے، آنحضورؐ کے معاہدات و مواثیق اور اموی دور میں نثری و شعری ادب کی تدوین تک بڑھایا ہے۔ مقالے کے آخری حصے میں بنوعباس کے عہد میں علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے۔ اس میں وہ یہ بتانے سے نہیں چوکے کہ مسلمانوں نے کتب خانوں میں کیا کیا سہولتیں فراہم کر رکھی تھیں اور کس کس قسم کے کتب خانے تھے۔ ان میں خصوصی کتب خانے، ہسپتالوں کے کتب خانے اور سفری کتب خانوں کا بھی مختصر سا ذکر کیا ہے۔

(۳)

"آنحضورؐ کی تعلیمات نے مسلمانوں میں فعالیت اور حصول علم کی چاہت کو مہمیز لگائی ہے" یہ کلمات جعفری صاحب کے ہیں جو انہوں نے اپنے مقالے[۴] میں کہے ہیں جس میں انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے۔ کہ یورپی اقوام پر مسلمانوں نے کیا کیا احسانات کئے ہیں۔ اور کن کن میدانوں میں مسلمانوں نے سبقت حاصل کی ہے۔ ان ہی علوم کی تتبع ہی میں یورپی اقوام کو ترقی کا یہ دور نصیب ہوا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ بغداد، قرطبہ، اشبیلیہ اور سسلی میں مسلمانوں کی علمی شمعیں صدیوں تک روشن رہیں۔

آپ نے اس مقالے کے ابتداء میں یہ لکھا ہے کہ کس طرح مسلمانوں نے حصول علم اور اس کے پھیلانے میں سعی و کوشش کی ہے۔ "افضل الناس من تعلم القرآن وعلمہ الناس" کے مصداق بننے والوں کی ہمتوں کو بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے۔ موصوف کے مقالے کا یہ حصہ مولوی محمد شفیع صاحب کے مقالے کے دوسرے حصے سے بالکل متماثل نظر آتا ہے۔ جس میں انہوں نے تعلیم کے حصول اور پھیلانے والوں کے بارے میں قرآن و حدیث کا عندیہ دیا ہے۔ موصوف کے مقالہ کا دوسرا حصہ یونانی، ہندی اور دیگر زبانوں کی کتب کے عربی میں تراجم کی سرگرمیوں کے بارے میں ہے۔ ان سرگرمیوں کے نتیجے میں بغداد، کوفہ، بصرہ، دمشق، قاہرہ، اسکندریہ، قرطبہ، غرناطہ، سسلی اور دوسرے مقامات میں علم و فن کے مراکز قائم ہوئے اور علم کی کرنیں کتابوں کی شکل میں پھوٹنے لگیں۔ مقالے کے آخری حصے میں جعفری صاحب نے علماء کی

---

[۴] "Libraries during the caliphate." Dawn January 28 and February 4, 1951.

سرگرمیوں کے اس دور کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے :

۱۔ اموی دور (۶۶۱ء — ۷۵۰ء) :- اس زمانے میں احادیث کی تدوین اور زبان و ادب میں نثری و شعری سرمایوں کی حفاظت کا کام ہوا ہے۔ موصوف کا خیال ہے کہ اس عہد میں کتابیں تو موجود تھیں کتب خانوں کا وجود نہ تھا۔

۲۔ عباسی دور (۷۴۹ء — ۱۲۵۸ء) :- کتابت اور کتب خانوں کے ضمن میں یہ دور سنہری خیال کیا جاتا ہے۔ وزیر ابونصر بہاءالدولہ نے بغداد میں ۹۹۱ء میں دارالعلم قائم کیا۔ اور اس میں دس ہزار کتابیں فراہم کیں۔ یہ امر بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کہ اس عہد میں اس دارالعلم کے علاوہ تقریباً تمام مساجد میں مذہبی کتب پر مشتمل خزانے موجود تھے۔

۳۔ اندلسی خلفائے بنی امیہ (۷۵۶ء — ۱۰۳۱ء) :- الحکم ثانی محب کتب تھا۔ اس کے کتب خانے کی فہرست چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ اس وقت قرطبہ میں ستر عوامی کتب خانے تھے۔ اور بک شاپ تو بیشمار تھیں۔ علماء کے ذاتی کتب خانے بہت تھے۔

آخر میں اس طرف بھی دھیان دیا ہے کہ اس وقت کتب خانوں میں کتابیں کس طرح رکھتے تھے۔ اور یہ کہ ان کی فہرست بھی تیار کی جاتی تھی۔

موصوف نے اپنے مقالے کو علاقوں اور زمانوں کی وسعت دیکر سطحی سا بنا دیا ہے — معلومات دوسرے مقالہ نگاروں سے کافی مختلف ہیں۔ بنوامیہ کے دور میں کسی کتب خانے کا بھی وجود نہ ہونا محل نظر ہے۔ جناب مولوی محمد شفیع صاحب اور کئی دیگر حضرات کی نظر میں خالد بن یزید (متوفی ۷۰۴ء) کا کتب خانہ صحیح معنوں میں کتب خانہ تھا۔ ہارون الرشید کے بیت الحکمت کا ذکر تو اچھا کیا مگر اس میں کتب خانے کی توصیف (DESCRIPTION) کو چھوا تک نہیں یہ بات جو تقریباً ہر قاری کو کھٹکتی ہے۔ جعفری صاحب نے کتابوں کو گتے کے غلافوں (CASES) میں رکھنے اور ان کی کیٹلاگ بنانے کا ذکر کیا ہے۔ ایسی معلومات دوسرے مقالہ نگاروں کے ہاں بہت کم ملتی ہیں۔ مگر کیٹلاگ میں اندراج مصنف کے نام کے تحت بتا کر ہمیں شک میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ یہ امر متفق ہے کہ مسلمان کتابوں کو ٹائٹل کے تحت درج کیا کرتے تھے۔

(۴)

محمد عبدالحلیم چشتی "عہد رسالت سے دور اموی تک اسلامی کتب خانوں کے تاریخی ارتقاء" میں [۵]

---

[۵] یہ مقالہ بغرض جزوی تکمیل برائے امتحان ایم۔ اے لائبریری سائنس، جامعہ کراچی سے ۱۹۷۰ء میں پیش کیا گیا —

بتاتے ہیں کہ علوم و فنون کی تدوین مسلمانوں کے ابتدائی ادوار ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ آنحضور اور خلفائے راشدین کا زمانہ اس اعتبار سے کافی اہم ہے۔ اس ڈیڑھ سو صفحات کے مقالے میں چشتی صاحب نے علم کے حصول کے بارے میں قرآنی احکامات علم کا مقام کتاب اور کتب خانے کے بارے میں بالتفصیل بتایا ہے۔ اس کے علاوہ علم کے حصول اور اس کی ترویج پر الگ بحث کی ہے۔ اس میں ذرائع حصول علم یعنی درسگاہوں وغیرہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ قرآن کی تدوین کے بارے میں لکھا ہے۔ عہد رسالت کے تحریری سرمائے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اسلام میں کتب خانوں کی ابتداء اور مواد علم کے تحفظ میں مسلمانوں کی لگن کا پتہ دیا ہے۔ حدیث، اس کی تدوین، مختلف مجموعے، عربوں کے علوم اور سامان املاء پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔

مقالے کے دوسرے حصے میں چشتی صاحب نے خلافت راشدہ (۶۳۲ء — ۶۶۱ء) میں مختلف علوم اور ان میں کتب کا ذکر کیا ہے۔ موصوف نے ایک بہت عمدہ دریافت کی ہے کہ عہد فاروقی میں کتب خانے کی ابتداء ہو چکی تھی مگر اس کی شکل نہیں بتائی۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ خلافت راشدہ میں تزئینِ کتب کی ابتداء ہو چکی تھی۔

تیسرے حصے میں اموی دور (۶۶۱ء — ۷۵۰ء) کا ذکر کیا ہے۔ اس زمانے کی تخلیقات، تفاسیر اور تدوین حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چشتی صاحب کا خیال ہے۔ کہ اس عہد میں تبصرے کا آغاز بھی ہو چکا تھا۔ علم تاریخ کی تدوین ہو رہی تھی۔ غیر زبانوں کی کتب کے تراجم عربی زبان میں ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اعراب کی ایجاد اسی عہد میں ہوئی۔ خطاطی پر توجہ دی جانے لگی۔ اعلیٰ تعلیمی مراکز اور علمی حلقے مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، دمشق اور مصر میں قائم ہو چکے تھے۔ عربی سرکاری زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ یہ دریافت واقعی قابلِ تحسین ہے کہ ۸۰ھ میں یوسف بن عمر نامی ایک شخص مکہ مکرمہ میں کاغذ سازی کا کام کیا کرتا تھا۔ مگر افسوس کہ اس کاغذ کا وجود کہیں نہیں ملا۔ عہد رسالت میں کتابیں مستعار دینے کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا کتب خانہ بھی تھا۔ یہی نہیں بلکہ چشتی صاحب تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرۃ عمر بن العاصؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ذاتی کتب خانے تھے۔ حسن بصری اور امام زہری کے ہاں کتب کا ذخیرہ تو سبھی کو معلوم ہے۔ چشتی صاحب کے پیشِ نظر اگرچہ سب منقالات ہیں، مگر انہوں نے زیادہ تر معلومات کا انحصار احادیث اور ابتدائی ادوار کی عربی تالیفات پر رکھا ہے۔ جو قاری کو نہایت آسانی کے ساتھ اصل تک پہنچا دیتی ہیں۔

۵

کتاب سے والہانہ محبت مسلمانوں کی سرشت میں داخل ہے۔ اپنے محبوب کی حفاظت، اس کی خاطر داری محب کے دل میں قدرتی طور پر پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ کتاب کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کا جس قدر مسلمانوں نے کام کیا ہے۔ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ڈاکٹر شیخ عنائت اللہ صاحب کا مضمون[۷] اس پہلو پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقالے میں جن امور کو واضح کیا ہے۔ انکے اہم نکات یہ ہیں:

مسلمان کتاب سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔ انہوں نے اس کی حفاظت اور دوسروں تک پہنچانے کی ہر ممکن سعی کی ہے۔ اس جذبے کے تحت ذاتی کتب خانے اور عوامی کتب خانے وجود میں آئے۔ کتابوں سے دلچسپی رکھنے والے بڑے بڑے شہروں کے اسواق الوراقین میں گھسے رہتے۔ جہاں کہیں انہیں تسکین قلب کا سامان میسر آتا وہیں کے ہوکر رہ جاتے۔ مطلوبہ کتابوں کی ہر قیمت پر نقول حاصل کرتے اور ان پر مختلف انواع کی تزئین کا اہتمام کرکے اپنے کتب خانوں کی زینت بناتے۔ کتابوں کی تجارت کو اتنا فروغ نصیب ہوا کہ گھر گھر کتب خانے قائم ہوگئے۔ مسلمانوں نے فتوحات کے بعد کچھ شہروں کو اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ان میں بغداد سر فہرست تھا۔ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ دور دراز کے علماء اس کیطرف آنے لگے۔ بیت الحکمت کا قیام عمل میں آیا۔ لوگوں نے علم کے پھیلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کاغذ کی آمد نے اس کام میں بے پناہ سرعت پیدا کردی۔ آن کی آن میں بڑے بڑے کتب خانے وجود میں آئے۔ کئی علماء کے کتب خانوں نے تمام عالم اسلام میں شہرت حاصل کی۔ یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے۔ کہ ساتویں صدی عیسوی میں عربی ممالک میں عوامی، ذاتی اور خاص کتب خانے باقاعدہ قائم ہو چکے تھے۔

اسپین میں بنو امیہ، مصر میں فاطمی، حلب میں ہمدانی، فارس میں بُوَیہ، بخارا میں سامانی خاندان کتب خانوں کے قیام میں سرگرم عمل نظر آنے لگے۔ ہند میں مغل بادشاہوں نے اپنی ذاتی کتب شناسی کا ثبوت فراہم کیا۔ موصوف مقالہ نگار نے بتایا کہ بعض حضرات کے کتب خانے اپنے میدان میں تقریباً تمام عالم اسلام میں مشہور تھے۔ جیسے جاحظ کا کتب خانہ عربی زبان و ادب کا عمدہ خزانہ تھا۔

۷۔ "Bibliophilism in medieval Islam". Pakistan Library Review. Vol. 3, PP. 29-45 (June, 1961)

شیخ صاحب نے مقالے کے آخری حصہ میں کتب کی تجارت پر مفصل لکھا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق اس وقت بغداد میں تین سو اٹھ[۳۰] دکانیں تھیں جو خاص طور پر کتابوں کی نقول، تزئین اور خرید و فروخت کا کام کرتی تھیں۔ یہ سوق الوراقین بغداد میں جامع مسجد کے متصل واقع تھا۔ اس عہد کے مسلم خطاطوں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں ابن البواب، یاقوت المستعصمی کے نوشتوں کے نمونے اب بھی مختلف کتب خانوں میں دستیاب ہیں۔ کتابوں پر تزئین خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ نقش و نگار، نفاست اور رنگوں کی چمک امتداد زمانہ بھی نہیں مٹا سکا۔

مقالے کے آخر میں ڈاکٹر صاحب اس امر کی وضاحت کرتے گئے ہیں۔ کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی تباہی کا ذمہ دار کون تھا۔ اور اس میں مسلمانوں کو خواہ مخواہ کیوں مطعون کیا جاتا ہے۔ ؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب تحقیق میدان کے شہسوار ہیں۔ مگر اس مقالے میں انہوں نے اکثر بیانات و معلومات کی تائید کیلئے حوالہ جات دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان معلومات کے ماخذ سے قارئین کو روشناس نہیں کرایا۔ یہ کمی انتہائی تکلیف دہ ہے۔

(۶)

موضوع زیر نظر اس قدر اہم ہے کہ افراد ہی نہیں بعض اداروں اور جامعات نے بھی اس میں دلچسپی لی ہے۔ یہ ادارے اس موضوع پر ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات دوسروں کی نسبت ممیز نظر آتی ہیں۔

سن ۱۹۵۵ء میں جناب ممدوح قاسمی صاحب جو اس سرزمین پاک کے سپوت ہیں، امریکہ میں ایم اے لائبریری سائنس کرنے کی غرض سے گئے تو انہوں نے وہاں ابتدائی اسلامی دور کے کتب خانے پر ایک مقالہ تحریر کیا[۴۶]۔ موصوف نے اپنے مقالے کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ آنحضورؐ اور خلفاء کا دور:۔ مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ آنحضورؐ کے وقت تحریر شدہ مواد غیر موجود تھا۔ قرآن مجید کی تدوین ایک اہم کام ہوا ہے۔

---

۴۶ "Libraries in the early Islamic world." Thesis Submitted for degree of M.A in Library Science. Western Research University, 1955, PP 1-17.

۲۔ اموی دور :۔ اس عہد میں جنگ و جدال کا کافی عنصر پایا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود نئے علوم پیدا ہوئے جن میں گرامر، شعر و ادب سرِ فہرست ہیں۔ اس عہد میں خالد بن یزید اموی نے کتابیں جمع کیں۔

۳۔ عباسی دور :۔ یہ وہ سنہرا دور ہے جس میں مسلمانوں نے دیگر اقوام کی کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کرنا شروع کیا۔ یہ کتابیں یونانی، فارسی اور سنسکرت زبان سے تعلق رکھتی تھیں جو زیادہ تر فلسفہ اور طب پر تھیں۔ چنانچہ اس عہد میں بڑے بڑے مترجمین پیدا ہوئے۔ ابن المقفع کا نام سبھی جانتے ہیں۔ بغداد میں کئی بک شاپ تھیں۔ عوامی کتب خانے جو خزانۃ الوقف کہلاتے تھے، اس وقت موجود تھے۔ مختلف کالجوں جیسے نظامیہ اور مستنصریہ وغیرہ میں کتب خانے موجود تھے۔ ان پر حکام وقت خاص توجہ دیتے تھے۔ ان کے علاوہ دار العلم موصل میں اور خزانۃ الوقف بصرہ میں بھی قائم تھے۔ اس عہد کے ذاتی کتب خانوں کا شمار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں یحییٰ برمکی متوفی ۸۰۵ء، الواقدی متوفی ۸۲۲ء، الاصمعی متوفی ۸۳۲ء، ابن الزیات متوفی ۸۴۷ء اور ابن العلقمی متوفی ۱۲۵۸ء کے کتب خانے زیادہ مشہور تھے۔

۴۔ مصر اور اسپین :۔ ان علاقوں کے کتب خانوں پر پوری ایک فصل باندھی ہے۔ اس میں فاطمیین مصر اور الحکم ثانی کے کتب خانوں کا ذکر کیا ہے اور ان کی تباہی پر آنسو بہائے ہیں۔

۵۔ پانچویں فصل میں موصوف مقالہ نگار نے کتب خانوں کی عمارات، کتابوں کی ترتیب، جمع کرنا (Acquisition) اور حفاظت پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ کتب خانے کے عملے کے بارے میں بھی لکھا ہے۔

۶۔ آخری فصل میں قاسمی صاحب نے مختلف کتب خانوں کی تباہی پر کافی معلومات جمع کی ہیں اس حصے میں ان وجوہات کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن کے نتیجے میں یہ تباہی واقع ہوئی ہے۔ آخر میں مقالہ نگار نے مصر، ترکی پاک و ہند کے موجودہ کتب خانوں پر ایک سرسری نظر ڈالی ہے۔ ان ممالک کے مخطوطات کی حفاظت کی طرف علماء کی توجہ مبذول کرائی ہے۔

موصوف مقالہ نگار نے اپنے دائرہ کار کو بہت وسیع رکھا ہے اور ہر ایک گوشے کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ایک سطحی سا مقالہ بن گیا ہے۔ معلومات میں عمق نہیں ہے۔ اگرچہ کتب خانوں کو فنی لحاظ سے دیکھنے کی سعی کی ہے۔ مگر مواد بہت کم دیا ہے۔ یہ بات بھی کھٹکتی ہے۔ کہ ایک مسلمان کے قلم سے مغربی نقطۂ نظر کی وکالت کرائی جا رہی ہے۔

(۷)

اب تک جو مقالات آپ کی نظر سے گزرے ہیں وہ مسلمانوں کے عندیہ کو پیش کرتے ہیں۔ ان

میں جذبات زیادہ اور حقیقت نسبتاً کم ہے۔ (اس میں سے صبوح قاسمی صاحب کا مقالہ کسی حد تک شامل نہیں کیا جا سکتا۔) مگر اب ہم غیر مسلموں میں سے ایک صاحب کے مقالے کا جائزہ لیں گے۔ یہ مقالہ ایک اطالوی مستشرق اولیگا پنٹو (OLGA PINTO) نے تحریر کیا ہے۔ اس مقالے کی اہمیت اور اس میدان میں یگانہ روزگار ہونے کی بدولت ایک دوسرے مستشرق کرنکو (KRENKOW) صاحب نے اس کا اطالوی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے[۵۸]۔ یہ مقالہ استشراق کی کئی خصوصیات کا حامل ہے۔ موصوف نے سب سے پہلے اس موضوع سے مغربیوں کے اغماض کا رونا رویا ہے۔ پھر کتاب کی اہمیت، مسلمانوں کا کتب سے رگاؤ، خطاطی، تجلید، نقش و نگار اور تزئین کتب پر سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ بغداد میں کتابوں کی تجارت کا ذکر کرنے کے بعد مختلف علاقوں کے کتب خانوں کو گنایا ہے۔ ان میں سب سے مفصل حالات اسپین کے حاکم الحکم ثانی کے کتب خانے کے ہیں۔ اس فصل کے بعد مقالہ نگار نے کتب خانوں کی عمارات، قارئین کے لئے سہولتیں، کتابوں کی ترتیب اور کتب خانوں پر اخراجات کے ضمن میں ایک شذرہ لکھا ہے۔

آخری حصے میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں عرب ممالک کے کتب خانوں کی حالت اور ۱۹۰۹ء تک جو کتب خانے ان علاقوں میں موجود تھے ان پر مختصر نوٹ لکھا ہے۔ فرانسیسیوں کے زیر اثر الجزائر اور مراکش میں کتب خانوں کے ضمن میں جو اہم تبدیلیاں آئی ہیں وہ دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ ایک طائرانہ نظر ہند کے کتب خانوں پر بھی ڈالی ہے۔ آخر میں اس امر کا افسوس ظاہر کیا ہے کہ مخطوطات کی حفاظت کے سلسلے میں بہت کم توجہ دی جا رہی ہے۔ اور پھر اس قیمتی سرمائے کو بچانے کیلئے ایک تجویز پیش کی ہے کہ مستشرقین اور علمی ادارے مل کر اس تہذیبی سرمائے کو پہلے تو معلوم کریں اور پھر اس کی حفاظت کے مختلف علاقوں میں مختلف اقدام کئے جائیں۔

(۸)

ان مقالات میں مندرجہ ذیل امور آپ نے ضرور نوٹ کئے ہوں گے:

۱۔ سب میں یہ امر مشترک ہے کہ تمام مقالہ نگاروں نے کچھ نہ کچھ کتب خانوں کا ذکر ضرور کیا ہے۔

---

[۵۸] The Libraries of the Arabs during the times of the Abasides. Islamic Culture. Vol. 3 PP. 210-24 (April, 1929).

اسلام کے ابتدائی دور اس لحاظ سے کافی تشنہ ہے۔ اس لئے معلومات میں گہرائی نہیں آتی۔ صبوح قاسمی صاحب نے کہا ہے۔ کہ آنحضور کے عہد میں تحریری مواد غیر موجود تھا۔ جبکہ چشتی صاحب نے اس کے بالکل برعکس بات کہی ہے۔ بلکہ اس تحریری مواد کی فہرست بھی دے دی ہے۔ الغرض یہ دور ابھی تک تحقیق کا محتاج ہے۔

۲۔ بعض مسلمان مقالہ نگاروں نے جذبات کی رو میں بہہ کر ایسے بیانات دئے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، صرف خیالی باتیں ہیں۔

۳۔ اودیگا پنٹو صاحبہ اور چشتی صاحب کے علاوہ بہت کم حضرات نے اپنی باتوں کی تصدیق کے لئے حوالہ جات دینے کی زحمت گوارا کی ہے۔

۴۔ ان مقالات میں ایک دوسرے پر اثرات یا دوسروں کے خیالات مستعار لینے کا عنصر خاصہ موجود ہے۔ جیسے مثلاً کتب خانوں کی عمارات، کتب خانوں میں قارئین کے لئے سہولتوں کا ذکر سب سے پہلے پنٹو نے کیا۔ اور قاسمی صاحب نے یہ خیالات ان سے مستعار لئے ہیں۔

۵۔ ان میں بعض مبہم معلومات اور خیالات تقریباً ہر مقالہ نگار کے ہاں موجود ہیں جن میں چشتی صاحب، ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور اودیگا پنٹو صاحبہ کا زیادہ حصہ ہے۔

۶۔ آخری افسوسناک بات یہ ہے کہ ہمارے بعض علماء اس میدان میں مقالات لکھتے وقت مبالغہ آمیزی سے بہت کام لیتے ہیں جو ظاہر ہے تحقیق کیلئے سم قاتل ہے۔

(۹)

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس میدان میں ہم نے بہت کم معلومات جمع کی ہیں۔ کئی ایسے گوشے ہیں جو ابھی تحقیق طلب ہیں۔ کتب خانوں سے متعلق موجودہ مواد بھی چھان پھٹک کا محتاج ہے۔ یہ تو امر واقع ہے کہ مسلمانوں کے ہاں ہر مقام، جگہ اور شہر میں کتب خانے موجود تھے۔ ان سے استفادے کا کوئی منظم نظام بھی موجود تھا۔ کتابیں حاصل کرنے، جمع کرنے، ان کو کتب خانوں میں ایسے انداز سے مرتب کرنے کہ بوقت ضرورت آسانی سے مل سکیں، ان کی حفاظت اور استفادے کو بڑھانے کیلئے عملے کی صاحبت (؟) اسی طرح قارئین حضرات ان ذخیروں سے استفادہ کس طرح کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس مسلمانوں کے اس علمی و ثقافتی عنصر "کتب خانہ" کے کئی ایسے پہلو ہیں جن میں کافی وقت نظر اور فکر و تدبر کی ضرورت ہے۔ موجودہ تہذیب کی یہ گم شدہ کڑی مسلمانوں ہی کو تلاش و جستجو سے حاصل کرنی چاہئے جن کا یہ ورثہ ہے۔

اس ضمن میں میری تجویز یہ ہے کہ ہر علاقے کے کتب خانوں کے بارے میں مستند اور باوثوق

ذرائع سے معلومات جمع کی جائیں پھر ان معلومات کا موجودہ علم کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے۔ تب ہم اس تحقیق کا صحیح حق ادا کر سکیں گے۔ اس سلسلے میں شام کے ماہر علم کتابداری مرحوم یوسف العش کی کتاب ۹ کو نمونہ بنایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹریٹ کے اس مقالے میں انتہائی مستند معلومات جمع کی ہیں۔ اور پھر ان کا تجزیہ کیا ہے۔ اس انداز پر ہر علاقے کے کتب خانوں کی معلومات سے متعلق ایک مستند تاریخ مرتب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

---

۹ Les Biblistheques Arabes; publiques et semipublique en Mesopotamie en Syrie et en Egypt au moyen age, Damas, 1967.